23.4 افسانہ نگاری

پریم چند نے اپنی افسانہ نگاری کی ابتدا وطن پرستی سے کی۔ سوزِ وطن میں شامل زیادہ تر افسانے اسی مزاج و موضوع کے تھے جس میں وطن پر قربان ہونے اور غلامی سے نجات پانے کے جذبات و خیالات تھے، اسی وجہ سے انگریز حکومت نے اسے ضبط کرلیا لیکن اس واقعہ نے پریم چند کے وطن پرستانہ جذبات کو مزید مہمیز کیا اور وہ نام بدل کر افسانے لکھنے لگے بعد میں سرکاری ملازمت سے استعفیٰ بھی دیدیا۔ روہیل کھنڈ کے قیام کے دوران انہوں نے رانی سارندھا، وکرمادتیہ کا تیغہ، آلہا اودل جیسے افسانے لکھے جنہیں تاریخی افسانے تو کہا جا سکتا ہے لیکن ان میں بھی وطن پرستی۔ بہادری اور قوم پروری کے ایسے جذبات موجزن تھے جو انگریزوں سے نفرت کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ اس تاریخی ماحول سے واپس آنے کے بعد انہوں نے گھریلو اور سماجی افسانے لکھنے شروع کیے۔ ابتداً انہوں نے بڑے گھر کی بیٹی، بڑے بھائی صاحب، نمک کا داروغہ جیسے افسانے لکھے جس میں ایک مصلح اور آئیڈیل زیادہ کام کر رہا ہے۔ ان دنوں پریم چند آریہ سماجی تھے اور ہندو مذہب کا شریفانہ و مصلحانہ تصور رکھتے تھے اس لیے اس نوع کے افسانوں میں ایک مثالیت پسند عورت، بیوی، بھائی یا افسر دکھائی دیتا ہے لیکن رفتہ رفتہ جس طرح ان کا ذہن کھلتا گیا وہ زمین کی حقیقتوں کو نزدیک سے دیکھنے اور سمجھنے لگے۔ وہ اصلاً دیہات کے باشندے تھے اس لیے وہاں کی معاشرتی و ثقافتی زندگی کے پیچ و خم اور کیف و کم کو بہت نزدیک سے دیکھا تھا۔ ایک ہندو اور ایک دانشور کی حیثیت سے ان کی نگاہ ہندوستانی سماج میں صدیوں سے چلے آرہے رسم و رواج، ظلم و ستم اور خانہ بندی پر بھی تھی جس میں ہندو سماج جکڑا ہوا تھا بالخصوص دیہی نظام۔ وہ اگرچہ دیہات کے برہمنی نظام پر چوٹ کرتے ہیں لیکن بنیادی طور پر وہ اس روایتی نظام کے خلاف ہیں جس میں دیہی معاشرہ پورے طور پر جکڑا ہوا ہے۔ ان کے

مشہور و معروف افسانوں، کفن، عیدگاہ، پنچایت، نجات، بوڑھی کاکی، پوس کی رات، ٹھاکر کا کنواں، طلوع محبت، دو بیل، سجان بھگت وغیرہ غرضکہ سبھی میں گاؤں کی زندگی، کھیت باغ کے مناظر، غربت و افلاس اور بوسیدہ رسم و رواج کے جو دل دہلا دینے والے مناظر دکھائی دیتے ہیں وہ اس دور تو کیا آج کے ترقی یافتہ دور کے افسانوں میں بھی مشکل سے نظر آئیں گے۔ پروفیسر قمر رئیس لکھتے ہیں۔

> ''پریم چند کی شاہکار کہانیاں وہی ہیں جو گاؤں کے ماحول اور زندگی سے تعلق رکھتی ہیں...... ان کہانیوں میں پریم چند نے اپنے تجربات، اپنے تخیل کی شادابی اور نفسیاتی بصیرت سے جو محاکاتی حسن پیدا کر دیا وہ اس عہد کی دوسری کہانیوں میں کم نظر آتا ہے۔ ان میں ہر کہانی انسانی زندگی یا انسانی نفسیات کے کسی گوشہ کو اس طرح بے نقاب کرتی ہے کہ قاری سوچتا رہ جاتا ہے۔ پوس کی رات میں ایسا لگتا ہے جیسے مصنف نے اپنے وجود کو ہلکو کسان کے وجود سے کامل طور پر ہم آہنگ کر لیا ہو۔''
>
> (پریم چند کے نمائندہ افسانے ص 20)

ہلکو تو پھر بھی مرد ہے پریم چند کی فنکاری اور خلاقی اس مقام پر اور بھی نکھر کر سامنے آتی ہے جہاں وہ عورتوں کے کردار پیش کرتے ہیں خاص طور پر ضعیف عورتوں کے کردار خواہ وہ بوڑھی کاکی ہو یا دادی امینہ یا پنچایت کی خالہ۔ ان بوڑھی عورتوں کے ذریعے وہ گاؤں دیہات کی پوری تہذیب اور روایت کو جس دلدوز انداز میں پیش کرتے ہیں کہ اس سے صرف گاؤں کی ہی نہیں ہندوستانی تہذیب و تاریخ کے در کھلنے لگتے ہیں۔ بوڑھی کاکی میں تین نسل کی عورتیں ہیں۔ بوڑھی کاکی، جوان روپا اور بیٹیا لاڈلی، پوری کہانی تینوں کے ربط اور تسلسل میں گندھی ہوئی ہے مرکزی کردار ہے اپاہج بوڑھی کاکی جسے پریم چند نے مرکزیت دے کر صرف اس گھر کو نہیں بلکہ پورے سماج کو کردار بنا کر اس کے رسم و رواج کو برہنہ کر کے آدمیت کی ایسی دلدوز تصویر پیش کی ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اپاہج اور بے بس عورت کی جبلت کو پریم چند بوڑھی کاکی کی گرسنگی اور بیچارگی کے ذریعہ بے حد پُراثر انداز میں پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح ان کی کہانی نجات میں دکھی چمار کا برہمن سیوا کرتے کرتے دم توڑ دینا اور پھر رات کے اندھیرے میں برہمن کا اس کی لاش کو گھسیٹنا بہت سارے سوالات قائم کرتا ہے۔ یہ منظر دیکھیے۔

> ''پنڈت جی نے رسّی نکالی۔ اس کا ایک پھندا بنا کر مردے کے پیر میں ڈالا اور پھندے کو کھینچ کر کس دیا۔ ابھی کچھ کچھ اندھیرا تھا۔ پنڈت جی نے رسی پکڑ کر لاش کو گھسیٹنا شروع کیا اور گھسیٹ کر گاؤں سے باہر لے گئے۔ وہاں سے آکر فوراً نہائے۔ درگا پاٹھ پڑھا اور سر میں گنگا جل چھڑکا۔ ادھر دکھی کی لاش کو کھیت میں گیدڑ، گدھ اور کوے نوچ رہے تھے۔ یہی اس کی تمام زندگی کی بھگتی، خدمت اور اعتقاد کا انعام تھا۔''

ایسے نجانے کتنے دل دہلانے دینے والے مناظر پریم چند کے افسانوں میں ملیں گے۔ عیدگاہ میں دادی امینہ کی دعا، پنچایت میں خالہ کا فیصلہ، اگنی سمادھی میں رکمنی کے جملے، یا پوس کی رات میں منی کا غصہ اس پورے نظام کے خلاف احتجاج کرتے نظر آتے ہیں جو صدیوں سے عورت یا غریب و کمزور مرد کو نشانہ بنائے ہوئے ہے۔ پھر وہی غریب طبقہ اپنی بے حسی کی انتہا پر پہنچ کر کفن میں گھیسو اور مادھو کا روپ لے لیتا ہے جہاں پریم چند کا فکر و فن اپنے عروج پر پہنچ کر انسانی نفسیات کا شاہکار پیش کرتا ہے۔

پریم چند نے شہر کی زندگی پر بھی کہانیاں لکھی ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ان کا اصلی ذہن اور جوہر دیہاتی سماج اور معاشرے کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش میں سامنے آتا ہے۔ وہ خود کہا کرتے تھے کہ ادب محض آئینۂ حیات نہیں بلکہ تنقید حیات ہے۔ ان کے افسانے ایک مخصوص زندگی پر تنقید ہی کرتے نظر آتے ہیں۔

اپنی معلومات کی جانچ

Scanned with CamScanner